مصر اقبال کے اشعار میں

ڈاکٹر جلال الحفناوی☆

مصر میں اردو زبان

اس بات کا تعین کرنا تو دشوار ہے کہ مصر میں اردو اول اول کب داخل ہوئی' البتہ تخمیناً" ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ بیسویں صدی کے شروع میں مصر میں اردو ان ہندوستانیوں کے ذریعہ داخل ہوئی جو یہاں یا تو تجارت و سکونت کے لیے آئے تھے یا وہ لوگ جو انگریزی لشکروں سے منسلک تھے۔ اور دن بدن ان کی تعداد بڑھتی رہی یہاں تک کہ ایک بہت بڑی کالونی بن گئی۔ اور باوجودیکہ وہ ہندوستان کے مختلف علاقوں سے آئے ہوئے تھے اور ہر علاقہ کی اپنی خاص زبان تھی لیکن انہوں نے اردو کو عام زبان بنایا جس کے ذریعہ وہ آپس میں بات کرتے اپنے مافی الضمیر کو ادا کرتے' پھر اخبار بھی نکالنا شروع کر دیا تاکہ ان چیزوں کو شائع کیا جاسکے جن کے ذریعے ان کا اپنے وطن سے ربط و تعلق برقرار رہے اور اس کے ذریعہ قومیت کے شعلے اور انگریز مخالفت کو یاد دلاتے رہیں ابو سعید نے عربی جریدہ "جہان اسلامی" نکالا اور اس پرچہ کا آزادی ہند میں کارنامہ رہا ہے اور اردو' عربی اور ترکی زبان میں شائع ہوتا اور ہندوستان تک پہنچ جاتا تھا یہاں تک کہ انگریزی حکومت متنبہ ہوگئی اور اس کو بند کر دیا پھر اس کا نکلنا بند ہوگیا ۱۹۳۰ء میں قاہرہ سے ایک ہفتہ وار پرچہ نکلنا شروع ہوا جو اپنی نوعیت کا پہلا پرچہ تھا اس کو محمود احمد عرفانی نے نکالا اور اس کا مقصد عالم اسلام کو ہندوستانی مسلمان سے متعارف کرانا تھا۔

جب اقبال ۱۹۳۱ء میں مصر آئے تو یہاں کے بڑے بڑے نامور لوگ ان سے متعارف ہونا شروع ہوئے' یہاں تک کہ قاہرہ اقبال کے تعارف کا مرکز بن گیا اور عبدالوہاب عزام کے ذریعہ عربوں نے علامہ اقبال کو پہچانا اور اہل مصر نے اردو سے دلچسپی لینا شروع کی' ۷ مارچ ۱۹۳۹ء میں قاہرہ یونیورسٹی میں اردو زبان کی تعلیم شروع ہوئی۔ اور اس کے بعد جامع ازہر کے

☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ اردو قاہرہ یونی ورسٹی مصر

"مجلتہ اصول الدین" میں ۱۹۴۸ء میں اور پھر ۱۹۷۹ء میں "کلیتہ اللغات و الترجمہ" میں اردو کے شعبے کا افتتاح ہوا۔ اور اسی سال جامعہ عین شمس میں بھی اردو کا شعبہ کھولا گیا اور اب اسکندریہ یونیورسٹی میں بھی اردو پڑھائی جاتی ہے' شروع شروع میں اس کی تدریس کا کام کچھ ہندوستانی اساتذہ ہی انجام دیتے تھے اور ان میں سرفہرست حسن اعظمی اور مولانا ابو الحسنات اور شیخ لقمان صدیقی ہیں' شیخ لقمان نے اردو نحو کے قواعد کے نام سے ایک کتاب بھی تصنیف فرمائی جو قاہرہ یونیورسٹی پریس میں ۱۹۶۱ء چھپی اور جو اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے' ایک عرصہ تک ڈاکٹر امجد حسن قاہرہ یونی ورسٹی میں اردو کی تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے ہیں اور پھر اس کے بعد مصری اساتذہ کی ایک نسل نے یہ کام شروع کیا جن میں پہلا نام ڈاکٹر سمیر عبدالحمید ابراہیم کا ہے جنہوں نے اردو شاعری پر مقالہ لکھ کر پنجاب یونی ورسٹی سے ۱۹۷۸ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ہے' نیز مقالہ نگار نے "فن سیرت نگاری اور شبلی نعمانی کے موضوع پر مقالہ لکھ کر قاہرہ یونی ورسٹی سے ۱۹۹۵ میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ہے پھر اس کے بعد کچھ مصری اساتذہ نکلے جنہوں نے مصری یونی ورسٹیوں میں اردو زبان کی تعلیم دینا شروع کی اور زبان و ادب کے تعارف میں حصہ لیا لیکچرز کی تالیف و تصنیف کے ذریعہ' نیز مصری ریڈیو روزانہ اردو زبان میں ایک پروگرام نشر کرتا ہے اور اسی کے ذریعہ مصر مشرق وسطیٰ جزیرہ عرب میں اردو کا مرکز بن گیا ہے' اور مصر ہی کی بدولت عربی دنیا کو عظیم شاعر علامہ محمد اقبال سے متعارف ہونے کا موقع ملا کیونکہ مصر کے تعلیم یافتہ مہذب لوگوں نے جو اردو جانتے تھے اقبال کے اشعار کا عربی میں ترجمہ کیا اور ان میں سرفہرست ڈاکٹر عبدالوہاب عزام اور شیخ صاوی شعلان ہیں باوجودیکہ وہ نابینا ہیں لیکن انہوں نے اقبال کی شاعری کا ترجمہ کرنے میں کمال دکھایا یہاں تک کہ بہت سی جگہوں پر یہ ترجمہ اصل سے زیادہ اچھا ہوا ہے۔

مصر میں اقبال کے اشعار کا عربی ترجمہ

کسی بھی مہذب معاشرہ میں تحریک ترجمہ کو اس سوسائٹی کی ثقافتی ترقی اور فکری ارتقاء کی دلیل سمجھا جاتا ہے اور یہ امر مشرقی اور مغربی دنیا کی مختلف ثقافتوں سے روشناس ہونے کی دلیل ہے اس طرح ہماری عربی تاریخ نے بھی ترجمہ کی بہت سی بڑی تحریکیں دیکھی ہیں۔ شاید ان میں سب سے بڑی تحریک وہ تھی جو دوسری صدی ہجری بمطابق نویں صدی عیسوی میں عباسی عہد خلافت میں چلی تھی۔ جہاں مختلف علوم و فنون و آداب میں تحریک ترجمہ پروان چڑھی' یہاں

تک کہ مختلف یونانی' فارسی اور ہندوستانی کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ کیا گیا اور عصر حاضر میں گزشتہ صدی کے بیچ میں رفاعہ طہطاوی آئے اور انہوں نے اپنے شاگردوں کے ساتھ مل کر مختلف مغربی علوم کی دو ہزار سے زیادہ کتابوں کا ترجمہ کیا اور ان کے ذریعہ انہوں نے عربی ثقافتی زندگی کو ایک نئی ترقی عطا کی ہے۔

ترجمہ کی تعریف ڈکشنریوں میں اس طرح کی گئی ہے کہ "کسی زبان میں قلم بند شدہ نص کو دوسری زبان میں نقل کرنا" اور یہ نقل کبھی خیانت سے خالی نہیں ہوتی چاہے وہ خیانت کم ہو یا زیادہ اس لیے کہ ہم طبعی طور پر اس ترجمہ میں شک کرتے ہیں' چاہے کتنا ہی اس میں صحت اور دیانتداری کا ثبوت فراہم کیا گیا اور یہ شک اس فاصلے سے رونما ہوتا ہے جو کہ نص اول اور مترجم کے درمیان ہوتا ہے چاہے ترجمہ نثر میں ہو یا نظم میں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ معانی یا الفاظ میں سے کچھ غائب ہو جاتا ہے' جان بوجھ کر یا غلطی سے' اور اس جگہ مجھے اٹلی کی مشہور کہاوت یاد آ رہی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ "مترجم چور ہے" یعنی یہ بات محال اور دشوار ہے کہ مترجم جب کسی کا ترجمہ کرنا چاہے تو اس کو مکمل انداز میں دوسری زبان میں ترجمہ کر سکے۔(۱)

عصر حاضر میں ترجمہ کے لیے کچھ اصول اور علمی قواعد اور نظریات نیز مناہج وضع کئے گئے اور پھر یہ "فن" ترجمہ سے "علم" ترجمہ میں شمار ہونے لگا جس کے اصول و قواعد ہیں' نیز یہ ترجمہ مترجم کے اندر اہلیت اور ادبی و فنی ذوق کا مطالبہ کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مترجم کا اس نص سے جس کا ترجمہ کرنا چاہتا ہے ایک خاص مناسبت ہونا اور ایک قسم کی ہم آہنگی پیدا کرنا جس کے ذریعہ مترجم کے لیے یہ اصوات' الفاظ' جملے اور اشکال و صور کے علاوہ ان تمام خوبیوں کا نقل کرنا ممکن ہو جو اس نص کے اندر ہے اور یہ اس لیے کہ ترجمہ ایک ایسا فن ہے جو تالیف و تصنیف سے کہیں سخت ہے اور یہ ترجمہ ایک قسم کی تخلیق ہے بلکہ وہ فی ذاتہ تخلیق ہی ہے اور تخلیقی ترجمہ کبھی کبھی مترجم نص کو یہاں تک پہنچا دیتا ہے کہ وہ ترجمہ اصل نص سے کہیں زیادہ اچھا لگتا ہے! اور یہ کمال اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتا جب تک کہ کاتب اور مترجم کے مابین ہم آہنگی اور ارتباط نہ ہو اور یحیی الصاوی شعلان کے ساتھ پاکستانی شاعر علامہ اقبال کا "شکوہ" اور "جواب شکوہ" کے ترجمہ اور یمنی شاعر کا قاضی محمود زبیری کے ساتھ ہندوستانی شاعر الطاف حسین حالی کی "مسدس حالی" جو "مدالاسلام و جذرہ" کے نام سے مشہور ہے' کے ترجمہ میں ہوا ہے۔

اور جب بات ایسی ہے تو پھر شعری نص کا ترجمہ کیسے ہو؟ بہرحال اس بارے میں نقاد کی مختلف آراء ہیں اور کسی خاص اور واضح نتیجہ تک نہیں پہنچ سکے۔ اس لیے کہ شعر کے ترجمہ کے لیے کچھ اصول و قواعد ہوتے ہیں جو خود شعر سے ہی نکلتے ہیں۔ اور قصیدہ کا ایک خاص جوھر ہوتا ہے جو ایک شاعر سے دوسرے شاعر کے بیاں میں مختلف ہوتا ہے اور مترجم کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ شعر کی غرض و غایت کو پہچانے اور یہ نظمی کلام کے ترجمہ میں پہلی گھاٹی کے درجہ میں ہے۔ اور اس کے باوجود شعر کا ترجمہ مکمل نہیں ہوتا چاہے مترجم کتنی ہی امانت کا حریص ہو' وہ اس میں خیانت کر ہی بیٹھتا ہے' چاہے شعوری طور پر ہو یا لاشعوری طور پر۔(۲)

اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرنا اور خصوصاً شعر کا شعر میں ترجمہ کرنا بہت بڑی محنت و کاوش کی بات ہے اور ڈاکٹر عزام نے اس کا سامنا کیا ہے۔ انہوں نے علامہ اقبال کی "پیام مشرق" "ضرب کلیم" "اسرار خودی و رموز بے خودی" کا ترجمہ کیا اور "جاوید نامہ" کو مکمل نہیں کر پائے' ڈاکٹر عزام نے اپنے ترجمہ میں معنی اصلی اور شکل و صورت کا لحاظ رکھا ہے جو اس شعر میں ہے اور وزن و قافیہ کی قدرے تصرف گنجائش رکھی جو عربی ذوق کے مناسب بھی ہو۔

اس لیے کہ مترجم کی سوجھ بوجھ اصلی زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرتے وقت بہت دفعہ اس کا ساتھ نہیں دیتی ہے اور شاعر افکار کو ہضم کرنے میں پریشانی محسوس کرتا ہے اور اس وجہ سے اصلی معنی سے بہت دور ہو جاتا ہے اور کبھی ایسے افکار و معانی کی طرف مائل ہوتا ہے جو شاعر کے اصلی معنی کے خلاف ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ شعر کے ترجمے میں دو چیزوں کی ضرورت ہے' ایک یہ کہ شعر کی اصلی زبان مترجم کے تابع ہو اور مترجم اس کی باریکیوں سے بخوبی واقف ہو' اور اسی طریقہ سے اس کی اپنی زبان میں مہارت ہو اور اس کی جزئیات کا جاننے والا ہو۔

شاعر محمد محمود زبیری کا کہنا ہے وہ ان لوگوں میں سے ہے جنہوں نے علامہ اقبال اور خواجہ الطاف حسین حالی کے کلام کا ترجمہ کیا ہے اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ شعر کا ترجمہ نثر میں کرنا آسان کام نہیں ہے تو اس کا شعر میں ترجمہ کرنا کیسا ہوگا۔ اور اس شعر کا کیا حال ہوگا اگر وہ شاعر کے لیے اجنبی زبان میں ہو اور یہ بہت بڑی مشکل ہے جس کو میں محسوس کرتا تھا اور میں بعض معانی کا حرفی ترجمہ کرتا ہوں تو میں اقبال پر ظلم کر رہا ہوں اور اس کے شعر کی روحانیت کو اس کے جسم سے سلب کر رہا ہوں اور پھر اس کو دوسرے جسم میں ڈالنے کے لیے

مجبور کر رہا ہوں اور یہ بہت دور کی بات ہے۔

شعری ترکیب کی صنعت کو ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرنا فقط دشوار نہیں ہوتا ہے، بلکہ دشواری اس کے معنی کو اسی زبان میں نقل کرنے میں ہوتی ہے اور اس سے عجیب بات یہ ہے کہ وہ شرح و تفسیر کی حدود سے خارج ہونا جاتا ہے کیونکہ جو شخص کسی عمدہ شعر کی شرح کرتا ہے یا اس کو اپنی زبان میں کرتا ہے تو وہ اس شعر کی ترکیب میں احساسات کا منہ کے عناصر کی نثر یا تفسیر کرنے سے عاجز ہے پس کیسے ممکن ہے کہ وہ اس کا دوسری زبان میں ترجمہ کرے۔

استاد مسعود ندوی نے علامہ اقبال پر ایک مقالہ لکھا ہے اور "الفتح" میں شائع کیا گیا جس کو استاذ محب الدین الخطیب قاہرہ سے نکالتے تھے اور یہ علامہ اقبال کا مصر سے سب سے پہلے تعارف کا سبب ہے اس کے بعد شیخ ابو الحسن ندوی نے علامہ اقبال پر ایک تقریر موجودہ دارالعلوم جامعہ فوادالاول قاہرہ یونی ورسٹی میں کی پھر ڈاکٹر عبدالوہاب عزام نے علامہ اقبال کی شاعری کا مطالعہ کیا اور ان سے گفتگو کی اور ان سے ان اشعار کے عربی ترجمہ کے بارے میں اجازت طلب کی تو انہوں نے اجازت عطا کی۔ شیخ ابو الحسن ندوی نے لکھا ہے کہ "علامہ اقبال نے استاذ عبدالوہاب عزام کا ذکر کیا اور کہا کہ وہ ان کے شعری کلام کے ترجمہ کا ارادہ رکھتے ہیں (۳) اور پھر شکوہ کا ترجمہ صاوی شعلان نے "حدیث الروح" کے نام سے کیا جس کو ام کلثوم نے راگ کے ساتھ گایا۔ شیخ ابو الحسن ندوی کہتے ہیں کہ جب انہوں نے یہ سنا کہ ڈاکٹر عبدالوہاب عزام اقبال کے شعر کا شعر میں ترجمہ کر رہے ہیں تو ان کا ارادہ ٹھنڈا پڑ گیا۔(۴)

اقبال نے ۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۱-۱۹۳۲ء میں گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن کے سفر کے دوران میں مصر کی زیارت کی اور ۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۵ء میں اقبال کے اپنے دوستوں کے نام لکھے ہوئے رسائل میں ایسی باتیں ملتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اقبال مصر کے مہذب اور مثقف طبقوں میں مشہور و معروف تھا۔ اقبال نے اپنے ایک خط میں جس کو انہوں نے ۱۳۲۳ھ نومبر ۱۹۰۵ء میں کیمبرج سے اپنے ایک دوست کے نام بھیجا جو پانچ صفحات پر مشتمل ہے نقل کیا ہے کہ سویز میں ان کی ملاقات بعض مصریوں سے ہوئی پھر کہتے ہیں کہ جب ہم بورسعید پہنچے۔ اس وقت صبح کے تین بجے تھے اور میں سو رہا تھا، تو مجھے ایک سلیمان نامی مصری ڈاکٹر صاحب نے بیدار کیا اور میں جاگ اٹھا اور ان کے ساتھ بیٹھا اور میں نے مصری نوجوانوں کے ایک وفد سے ملاقات کی اور یہ سب کے سب جمعیت شبان المسلمین کے ممبران تھے اور مجھے اس ملاقات سے

بہت خوشی ہوئی اور قاہرہ کے ایک مشہور وکیل "لطفی بک" نے دکتور سلیمان کی زبانی مجھے سلام بھیجا اور انہوں نے مجھ کو قاہرہ دیکھنے کی دعوت دی۔(۵)

اور رجب ۱۳۵۰ھ ر دسمبر ۱۹۳۱ء میں اقبال اسکندریہ سے آتے ہوئے قاہرہ پہنچا اور پانچ دن قیام کیا اس دوران انہوں نے کچھ اہل علم اور سیاستدان اور صحافیوں سے ملاقات کی ان میں سے شیخ الازہر مصر کے بڑے مفتی صاحب' وزیر الاوقاف محمد علی' "السیاسہ" پرچے کے مدیر شیخ محمد حسین ھیکل' مجلّہ المنار" کے مدیر شیخ رشید رضا شامل تھے اور جمعیت الشبان المسلمین کے ایک جلسہ میں انہوں نے تقریر کی اور جمعیت کے نائب شیخ عبدالوہاب نجار نے ڈاکٹر عبدالوہاب عزام کو مہمان محترم کو حاضرین سے متعارف کرانے کی ذمہ داری دی' اور ڈاکٹر عزام نے اقبال کے ساتھ اپنے تعلق کا ذکر کرتے ہوئے ان کا تعارف کرایا اور "پیام مشرق" کے چند شعر پڑھ کر سامعین کو محظوظ کیا۔(۶)

ڈاکٹر عبدالوہاب عزام پہلے شخص ہیں جنہوں نے عربی قارئین کے سامنے علامہ اقبال کو پیش کیا اور ان کے دیوان "پیام مشرق" کا ترجمہ کیا اور ۱۳۸۱ھ ر ۱۹۵۱ء میں کراچی سے شائع ہوا' نیز ان کے دیوان "ضرب کلیم" کا ترجمہ کیا جو ۱۳۷۲ھ ر ۱۹۵۲ء میں قاھرہ سے شائع ہوا اور اس کے بعد "اقبال مسجد قرطبہ میں" کا ترجمہ کیا جس کو پاکستانی سفارت خانہ جدہ نے ۱۳۷۵ھ ر ۱۹۵۵ء میں شائع کیا' اور بعدازاں "اسرار و رموز" کا ترجمہ کیا جو ۱۳۷۵ھ ر ۱۹۵۵ء قاہرہ میں چھاپا گیا۔ پھر "اقبال کی زندگی ان کی سیرت اور ان کا فلسفہ" نام کی ایک کتاب انہوں نے ۱۳۸۰ھ ر ۱۹۶۰ء میں قاہرہ سے شائع کی۔(۶)

شیخ صاوی شعلان نے استاذ محمد حسن اعظمی کے ساتھ مل کر ایک کتاب لکھی جس کا نام "ہندو پاک میں اسلامی ثقافت اور فلسفہ اقبال" ہے اور ۱۳۶۹ھ ر ۱۹۵۰ء میں قاہرہ میں چھاپی گئی' پھر ان دونوں نے مل کر ایک کتاب بنام "اقبال کے فلسفہ میں موت و حیات" لکھی جو ۱۳۸۹ھ ر ۱۹۶۹ء میں کراچی سے نکلی ہے اور پھر شیخ صاوی شعلان نے اقبال کے شعر کا انتخاب اسلام آباد سے نشر کیا۔ ۱۳۶۳ھ میں شکوہ اور جواب شکوہ کا منظوم ترجمہ شائع ہوا پھر ان کا قصیدہ "حدیث الروح" اور "طلوع اسلام" قاہرہ سے شائع ہوا' اور شیخ صاوی شعلان نے "ایوان اقبال" نام کی ایک کتاب تصنیف کی جو قاہرہ سے شائع ہوئی اور استاد نجیب کیلانی نے "اقبال الشاعر الثائر" یعنی اقبال انقلابی شاعر کے نام سے ایک کتاب لکھی اور اس پر ان کو وزارت تعلیم کی طرف سے ۱۳۷۷ھ ر ۱۹۵۷ء میں انعام ملا۔

مصر کے مشہور کاتبوں اور ادیبوں نے اقبال کے بارے میں متعدد مقالے لکھے اور مختلف قسم کی اسٹیڈی کی' مثلاً عباس محمود العقاد نے ایک مقالہ "اقبال و فلسفة" یعنی اقبال اور اس کا فلسفہ کے نام سے لکھا اور اس کی کتاب "ماورا الطبیعة" فارس میں کا عربی میں ترجمہ کیا اور ڈاکٹر محمد حسین ھیکل نے "اقبال شاعر اسلامی" نام سے کتاب لکھی اور نظریہ خودی کی شرح کی اور استاد احمد حسن الزیات نے "تقویة الذات عند اقبال" کے نام سے مقالہ لکھا اور طہ حسین نے ایک مقالہ میں بہترین موازنہ کیا ہے اقبال اور ابو العلا المعری کے درمیان جو "اقبال و ابو العلا" کے نام سے شائع ہوا اور فتحی رضوان نے جو اقبال کی قاہرہ کی آمد کے دوران ان کے ہمراہ تھے "اقبال الفیلسوف" کے نام سے لکھا(۸) اور ڈاکٹر عثمان امین استاذ فلسفہ کلیة الاداب' قاہرہ یونی ورسٹی اقبال سے بہت متاثر ہوئے انہوں نے ایک نیا مذہب بنایا جس کا نام "الجوانیہ" یا ذاتیت رکھا جس کے اوپر اقبال نے زور دیا ہے مگر ڈاکٹر عثمان امین نے اقبال کی باتوں کی تفسیر و تشریح "کانٹ" وغیرہ مغربی فلاسفہ کے نظریات کی روشنی میں کرنے کی کوشش کی۔ اسی طرح شیخ ڈاکٹر احمد شرباصی نے ایک مقالہ بعنوان "من نفحات اقبال شاعر الاسلام الاکبر" لکھا ہے اور اس کے معنی اسلام کے سب سے بڑے شاعر علامہ اقبال کی تجلیات ہے۔(۹)

ڈاکٹر سمیر عبدالحمید ابراھیم نے "اقبال و دیوان ارمغان حجاز" کے نام سے ایک کتاب لکھی جو ۱۳۹۷ / ۱۹۷۶ میں لاہور پاکستان میں چھپی ہے اور یہ بحث اقبال کے زمانہ ان کے افکار اور ان کی فارسی و اردو شاعری کے مطالعہ پر مشتمل ہے اور ان کے دیوان کا مکمل ترجمہ اردو اور فارسی دونوں حصوں کا انہوں نے کیا اور ۱۳۹۹ھ / ۱۹۷۸ء میں ڈاکٹر سمیر عبدالحمید نے ڈاکٹر عزام کے "اسرار و رموز" کے ترجمہ کو دوبارہ تحقیق و تعلیق اور اضافات کے ساتھ شائع کیا اور یہ کتاب مکتبہ العلمیہ لاہور سے ۱۳۹۹ھ / ۱۹۷۸ء میں شائع ہوئی اور اس کا دوسرا اڈیشن دارالانصار قاہرہ سے ۱۴۰۱ھ / ۱۹۸۰ء میں شائع ہوا اور پھر ۱۴۰۲ھ /۱۹۸۱ء میں "السبیل الی وحدة العالم الاسلامی بین اقبال و المودودی" کے نام سے ایک کتاب تالیف کی اور اس کے معنی عالم اسلامی کی وحدت کا راستہ اقبال و مودودی کے درمیان ہے اور پھر اقبال کے دیوان "جاوید نامہ" کا ترجمہ عربی نثر میں پایہ تکمیل کو پہنچا اور ڈاکٹر محمد السعید جمال الدین نے اس کا ترجمہ اور تحقیقی مطالعہ کرکے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۳۹۴ھ / ۱۹۷۴ء میں یہ بحث شائع ہوئی اور ڈاکٹر حسین مجیب مصری نے "جاوید نامہ" کا شعر میں ترجمہ کیا اور ۱۳۹۳ھ / ۱۹۷۳ء میں قاہرہ میں یہ ترجمہ نشر کیا گیا' پھر دکتور مجیب مصری نے اس کے بعد "ارمغان حجاز" کے فارسی حصے کا ترجمہ شعر میں

کیا اور ۱۳۹۰ھ ر ۱۹۷۰ء اس کو نثر میں نقل کیا اور آخر میں اقبال اور قرآن کے نام سے ایک کتاب تالیف کی۔(۱۰)

مصر اقبال کے اشعار میں

اقبال اور مصر

اقبال کے اردو اور فارسی دیوان پڑھنے کے بعد ہم اس کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اقبال مصر یا اس سے متعلق ان رموز کا جن کے ذریعہ مصر کی طرف اشارہ ملتا ہے مثلاً نیل' سینا' اہرام' جبل طور' فرعون' یوسف وغیرہ اپنے کلام میں ذکر کرنے کا کتنا شیدا تھا اور یہ تین دیوانوں میں ہے اور وہ بالترتیب کثرت کے اعتبار سے بانگ درا' ضرب کلیم' بال جبریل' ارمغان حجاز (فارسی) ہیں اور انہوں نے مصر اور اس کے رمزوں کا ذکر اپنے دونوں دیوان بانگ درا اور بال جبریل میں متفرق ابیات اور شعروں میں کیا ہے جبکہ انہوں نے اپنے دیوان ضرب کلیم میں مصر کے لیے دو قصیدے مختص کئے پہلے کا نام "اہرام مصر" دوسرے کا نام "اہل مصر سے ہے۔"

علامہ اقبال نے مصر کی زیارت کی اور جمعیت الشبان المسلمین میں ایک لیکچر دیا اور قاہرہ میں سیر کی اور آثار قدیمہ کا مشاہدہ کیا اور ابو الہول اور اہرامات مصر کے بارے میں اپنے مخصوص انداز میں شاعری کی اور اقبال مکمل طور پر ان چیزوں سے باخبر تھے جو کچھ مصر میں ان دنوں سیاسی اور دینی افکار و تحریکات پائے جاتے تھے کیونکہ اسی جیسے اسلامی افکار و تحریکات برصغیر میں بھی سرگرم تھے۔

انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے شروع میں مصر کے اندر بہت سارے مسائل اور مشاکل پیدا ہوئے جو اپنا حل فکری قائدین کے یہاں تلاش کر رہے تھے اور ان مسائل کا خلاصہ مصری قومیت' اسلامی خلافت' اور عرب قومیت ہے جو قدیم و جدید کے درمیان جاری کشمکش ہے اور نبی یہاں اھل مصر کی قومیت یا مصریت کے خیال کی طرف اشارہ کر رہے تھے اور عالم اسلامی سے نکل کر مغرب کی طرف متوجہ ہونے کی جانب اشارہ کر رہے تھے۔

کل ایک شوریدہ خواب گاہ نبی پہ رو رو کے کہہ رہا تھا
کہ مصر و ہندوستاں کے مسلم بنائے ملت مٹا رہے ہیں
یہ زائران حریم مغرب ہزار رہبر بنیں ہمارے
ہمیں بھلا ان سے واسطہ کیا جو تجھ سے نا آشنا رہے ہیں

غضب ہیں یہ "مرشدان خود بیں" خدا تری قوم کو بچائے
بگاڑ کر تیرے مسلموں کو یہ اپنی عزت بنا رہے ہیں (۱۱)

اقبال نے جب مصر کی زیارت کی تو قومیت کے مسئلہ کو پسند نہیں کیا اور نہ ہی ان کو وہ قائدین اچھے لگے جنہوں نے اس وقت قومیت کی دعوت دینا شروع کر دی تھی اور قومیت کے خیال کے تحت مسلمانوں میں تفرقہ سے ان کو بچانے کے لیے اس دعوت کو انہوں نے فراموش کر دیا اور اقبال اپنے پند و نصائح کے ذریعہ مسلمانوں کو آگاہ کرتے رہے کہ وہ قومیت کی طلسمی جال میں نہ آئیں اور نہ ہی اس کی چمکدار روشنی کی طرف جائیں۔

اقبال نے مسلمانوں کو طرح طرح سے سمجھایا ہے کہ ملت اسلامیہ کی بنیاد ایمان و عقیدہ اور رسالت محمدی کی ابدیت و آفاقیت پر ہے اور ان کی قوت کا سرچشمہ ان کی مذہب کے ساتھ وابستگی اور ملی اتحاد و اعتماد ہے ان کا مذہب ہر مکان و زمان کے لیے ہے انہوں نے اس نقطہ کی بھی وضاحت کی ہے کہ اسلام اور مسلمان کسی ملک و سرزمین پر انحصار نہیں کرتے' اسی لیے وہ ملکی حدود کی تبدیلی سیاسی عروج و زوال اور فتح و شکست سے اس طرح متاثر نہیں ہوتے جس طرح ملک و نسب پر انحصار کرنے والی قومیں ہوتی ہیں(۱۳) فرماتے ہیں۔

پاک ہے گرد وطن سے سرداماں تیرا
تو وہ یوسف ہے کہ ہر مصر ہے کنعاں تیرا

اور پھر فرماتے ہیں:

سنی نہ مصر و فلسطیں میں وہ اذاں میں نے
دیا تھا جس نے پہاڑوں کو رعشۂ سیماب (۱۴)

وطن دوستی فکر اقبال کی ابتدا ہے' انتہا نہیں اور ارتقائے خیال میں یہ پہلی منزل ہے۔ ان کے یہاں وطن دوستی کا جذبہ ہر دور میں پایا جاتا ہے۔ مگر وطن پرستی سے نفرت بھی عام ہے اقبال نے انسان کی مجموعی حیثیت اور اس کے متنوع جہات پر بڑی حکیمانہ نکتہ آفرینی کی ہے جائے پیدائش کی رہ گزر میں سے ابھرنے والے انسان کو آفاق کے بے کراں حدود سے ہمکنار ہونے کے لیے موثر اور عام مشاہدے کی تمثیل سے وضاحت کی ہے جسے عام طور پر بہت کم پیش کیا جاتا ہے۔ حالاں کہ یہ مثال کلام اقبال میں بالکل اچھوتی اور یکتا ہے اسے ان کے تصور وطنیت کا حاصل کہہ سکتے ہیں۔(۱۵)

آں کف خاکے کہ نامیدی وطن
ایں کہ گوئی مصر و ایران و یمن
باوطن اہل وطن رانسبتے است
زانکہ از خاکش طلوع ملتے است

اور پھر اقبال فرماتے ہیں:

ہے ہزاروں قافلوں سے آشنا یہ رہ گذر
چشم کوہ نور نے دیکھے ہیں کتنے تاجور
مصر و بابل مٹ گئے باقی نشاں تک بھی نہیں
دفتر ہستی میں ان کی داستاں تک بھی نہیں
آ دبایا مہر ایراں کو اجل کی شام نے
عظمت یونان و روما لوٹ لی ایام نے
آہ! مسلم بھی زمانے سے یونہی رخصت ہوا
آسماں سے ابر آزادی اٹھا' برسا' گیا (۱۶)

اور ابو الہول کے تمثال کے سامنے اقبال نے چند اشعار لکھے اور ان کو (اہل مصر سے) کا نام دیا۔

خود ابو الہول نے یہ نکتہ سکھایا مجھ کو
وہ ابوالہول کہ ہے صاحب اسرار قدیم!
دفعتہ" جس سے بدل جاتی ہے تقدیر امم
ہے وہ موت کہ حریف اس کی نہیں عقل حکیم!
ہر زمانے میں دگرگوں ہے طبیعت اس کی
کبھی شمشیر محمدؐ ہے' کبھی چوب کلیم! (۱۷)

اور حقیقت میں اقبال امت مسلمہ کے نظام حیات کی تشریح و توضیح کر رہے ہیں کہ محض عقل و دانش پر اعتماد و بھروسہ ناکافی ہے بلکہ قوت و طاقت کی اشد ضرورت ہے یہاں تک کہ بلاطاقت موت کے دستورالعمل معاہدہ اور قانون کی کوئی قیمت نہیں ہے سوائے اس روشنائی کے جس کے ذریعہ وہ قانون و معاہدہ لکھا گیا ہے یعنی اس ردی کے سوا اور کوئی قیمت ہی نہیں جب تک کہ طاقت اور پاور نہ ہو اور اس حکمت کی تعلیم ان کو ابو الہول نے دی ہے پس وہ چیز جو تقدیر انسان کو بدل سکتی ہے وہ بہت بیش قیمت ہے۔

اور باوجود یکہ قوت کی شکل و نوعیت ہمیشہ بدلتی رہتی ہے مگر وہ حقیقت جس کا انکار ممکن نہیں ہے وہ ہے طاقت و پاور جس کی ہر زمانے میں ضرورت رہی ہے اور اسی طریقہ سے آئندہ زمانے میں بھی اس کی ضرورت رہے گی اور یہ قوت کبھی تو موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے اور کبھی محمد ﷺ کی تلوار کی شکل میں اور مومن کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کے پاس قوت کا یہ اسلحہ ہو تاکہ اس کے ذریعہ امربالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام لیتا رہے ورنہ تو وہ مومن ہی نہیں ہوگا بلکہ راہب کہلائے گا اور رہبانیت روح اسلام کے منافی ہے۔

اسی طرح مصر میں اقبال نے اہرام کے بارے میں بھی لکھا تاکہ فن کے بارے میں اپنے نظریہ کی تشریح کرسکیں اور اپنے مخصوص اسلوب بیان میں لکھا وہ کہتے ہیں کہ فنکار کو اپنے فن کے ذریعہ کمال کی انتہا کو پہنچنا اس وقت ممکن ہوگا جب وہ اپنی ذاتیت کو طبیعت کی تقلید سے آزاد کر دے اور دوسرے لفظوں میں فن کو خلود و دوام سے جب ہی ہمکنار کرنا ممکن ہوتا ہے جب فن کے اندر اصالت اور جدت پائی جائے(۱۸) اہرام مصر کے عنوان سے علامہ اقبال کہتے ہیں:

اس دشت جگر تاب کی خاموش فضا میں
فطرت نے فقط ریت کے ٹیلے کیے تعمیر!
اہرام کی عظمت سے نگونسار ہیں افلاک
کس ہاتھ نے کھینچی ابدیت کی یہ تصویر
فطرت کی غلامی سے کر آزاد ہنر کو
صیاد ہیں مردان ہنر مند کہ نخچیر! (۱۹)

علامہ اقبال مصر پہونچے اور اس کے سیاسی حالات کو دیکھا حالانکہ اس وقت احیاء خلافت کی بات چل رہی تھی بعض رائے یہ تھی کہ ملک کو خلیفہ کے ماتحت بنایا جائے اس لیے انہوں نے مناسب سمجھا کہ بادشاہ، اصحاب الرای لوگوں کو خطاب کریں جس میں واضح کریں کہ خلافت کا مطلب فقط تاج اور ملک نہیں ہے بلکہ خلافت ایک ایسا اسلامی اسلوب عمل ہے جو ایسے دلوں سے پھوٹ کر نکلنے والا ہے جو اپنے رب پر ایمان لانے والے ہوں اپنے پیدا کرنے والے کے لیے، عاجزی کرنے والے ہوں اور پھر اقبال اپنے آپ سے پوچھتا ہے: کہ یہ ممکن ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دوبارہ لوٹ کر آئیں تاکہ مصر کے بادشاہ فاروق کو خلافت کے معنی

سمجھا سکیں گویا جو کچھ اقبال کے ذہن میں تھا وہ ابو بکر و عمر کی خلافت تھی' اور اسی طریقہ سے اپنے آپ سے پوچھتا ہے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ وہ پاک صاف زمانہ دوبارہ لوٹ کر ہمارے اس دور میں آئے اور جب اقبال کے فلسفہ کی بنیاد تحریک ہے تو وہ تمنا کرتا ہے کہ جزیرہ عرب سے صحرائی ہوا چلے جہاں سید المرسلین پر رسالت نازل ہوئی ہے اور وہ نیل کی موجوں کو بھڑکا دے اور یہ ہوا رسالت محمدیہ اور عطر نبوت کو اٹھائے ہوئے فاروق اعظم کا پیغام فاروق مصر تک پہنچائے(۲۰) اقبال کہہ رہا ہے :

تو اے باد بیابان از عرب خیز
زنیل مصریان موج بر انگیز
بگو فاروق را پیغام فاروق
کہ خود در فقر و سلطانی بیامیز
خلافت فقر و با تاج و سریراست
زہے دولت کہ پایاں ناپذیر است
جوان بختا مدہ از دست ایں فقر
کہ بے او پادشاھی زود میراست (۲۱)

ان اشعار سے اس چیز کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جس کی اقبال نے شاہ مصر کو خبر دی ہے کہ اس کا ملک مائل بزوال ہے اور ویسا ہی ہوا اس لیے کہ اسلامی تعلیم سے دوری فاروق کی مصری سلطنت کے زوال کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ پس اقبال نے اپنی نصیحت میں بار بار اس کے کان میں کہا کہ عقل و قلب کے داعی کا جواب دینا چاہیے اور اس کو اس بات کی وصیت کرتا ہے کہ ایسا مومن بننے کی کوشش کرے جس کے ذریعہ دینی روحانیت کی چوٹی تک رسائی حاصل کر سکے اور یہ چاہتا ہے کہ اس کو قصر السیل کی طرف رہنمائی کرے اور اس بات پر کہ چھلکا چھوڑ کر مغزولباب کی طرف توجہ دیں۔(۲۲)

اقبال کے شعر میں رموز بہت زیادہ پائے جاتے ہیں اور اس کے ذریعہ اقبال نے عالم غائب کو مرئیت کی شکل میں پیش کیا ہے اور اس کے رموز کسی قسم کی کوئی شکل و صورت نہیں دیتے' زندگی کا امتزاج اور اس کی انشراح اس میں واضح ہے اور وہ چیزوں کا نام نہیں ذکر کرتا ہے بلکہ رمز و کنایہ کا ذکر کرتا ہے اور اقبال کی رمزیت کی خوبی بنیادی طور پر اس میں پوشیدہ اور مخفی ہے کہ وہ ترکیبی اعتبار سے ان رموز سے مختلف ہے جس کو دوسرے شعرا نے استعمال کیا ہے

چاہے وہ اردو میں ہو یا فارسی میں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اقبال نے عربی شعر و زبان و تاریخ سے مدد حاصل کی ہے پس ہم اقبال کی رمزیت کو "موسیٰ' فرعون' کلیم' طور کی شکل میں دیکھتے ہیں اور یہ سب انسانی تاریخ کی دینی جدوجہد کی کہانیاں ہیں لیکن یہ چیزیں اقبال کے یہاں خیر و شر کے بیچ ابدی دستبرداری پر دلالت کرتی ہیں۔(۲۳)

اور مندرجہ ذیل اشعار ان رموز و کنایات پر دلالت کرتے ہیں جن کے ذریعے اقبال نے مصر نیل و سینا و فرعون کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اقبال اور فرعون

اقبال نے مصر کی قدیم تاریخ میں خاص طور پر دلچسپی لی ہے اور فرعون کو جابر ظالم اور سرکش و شر سے تعبیر کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں جو کہ نبوت اور رحمت وخیر کے نمائندہ تھے۔ جب حکیم سنائی کی قبر کی زیارت کی تو اس سے متاثر ہو کر اپنے دیوان بال جبریل میں کہتے ہیں۔

رہے ہیں اور ہیں فرعون میری گھات میں اب تک
مگر کیا غم کہ میری آستیں میں ہے یدبیضا (۲۴)

اور موسیٰ و فرعون کے بیچ موازنہ کرتے ہوئے اپنے دیوان ضرب کلیم میں فقر و ملوکیت کے عنوان کے تحت کہتے ہیں:

اس کی بڑھتی ہوئی بے باکی و بے تابی سے
تازہ ہر عہد میں ہے قصۂ فرعون و کلیم! (۲۵)

اور دیوان ضرب کلیم میں "غزل" کے عنوان سے کہتے ہیں کہ ہر انسان کی زندگی میں خواہشات ہوتی ہیں پس اگر کسی کی خواہش دنیا میں علم و فن کی سعادت سے مستفیض ہونا ہو تو اقبال کی خواہش دنیاوی زندگی یہ ہے کہ اس کا دل حق کو جاننے کے لیے مضطرب و کوشاں رہتا ہے اور وہ ایک عمدہ موازنہ فریقین کے درمیان کرتا ہے اور اہل فکر و اہل ظاہر کے معجزہ فلسفہ و حکمت میں پوشیدہ ہے جبکہ اہل ذکر و اصحاب باطن کا معجزہ موسیٰ فرعون و طور میں مخفی ہے:

معجزۂ اہل فکر' فلسفۂ پیچ پیچ
معجزہ' اہل ذکر' موسیٰ و فرعون و طور (۲۶)

اور پھر ضرب کلیم میں "نفسیات غلامی" کے تحت کہتے ہیں:

ہو اگر قوت فرعون کی در پردہ مرید
قوم کے حق میں ہے لعنت وہ کلیم اللہی (۲۷)

اقبال اور سینا

اقبال نے سینا کو مختلف ناموں سے ذکر کیا۔ ان میں سے بعض قرآن میں بھی وارد ہوئے ہیں مثلاً طور سینا برق ایمن وادی مقدس' وادی ایمن اور جبل طور کا اقبال نے خاص اہتمام کیا ہے۔ اقبال کے دیوان "بانگ درا" میں ہمالہ کے عنوان کے تحت ہے:

ایک جلوہ تھا کلیم طور سینا کے لیے
تو تجلی ہے سراپا چشم بینا کے لیے (۲۸)

اور پھر کہتے ہیں:

(۱) کچھ اس میں جوش عاشق حسن قدیم ہے
چھوٹا سا طور تو' یہ ذرا سا کلیم ہے (۲۹)

(۲) جلتی ہے تو کہ برق تجلی سے دور ہے
بیدرد تیرے سوز کو سمجھے کہ نور ہے (۳۰)

(۳) ہر دل مئے خیال کی مستی سے چور ہے
کچھ اور آج کل کے کلیموں کا طور ہے (۳۱)

(۴) محبت کے شرر سے دل سراپا نور ہوتا ہے
ذرا سے بیج سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے (۳۲)

(۵) تو کہاں ہے اے کلیم ذروہ سینائے علم
تھی تری موج نفس باد نشاط افزائے علم (۳۳)

(۶) کبھی میں ذوق تکلم میں طور پر پہنچا
چھپایا نور ازل زیر آستیں میں نے (۳۴)

(۷) کھینچ خود بخود جانب طور موسیٰ
کشش تیری اے شوق دیدار کیا تھی (۳۵)

(۸) اڑ بیٹھے کیا سمجھ کے بھلا طور پر کلیم
طاقت ہو دید کی تو تقاضے کرے کوئی (۳۶)

(۹) جلوۂ طور میں جیسے ید بیضائے کلیم
موجہ نکہت گلزار میں غنچے کی شمیم (۳۷)

(۹) مگر آئی ہے نسیم چمن طور کبھی
سمت گردوں سے ہوائے نفس حور کبھی (۳۸)

(۱۰) ہے زمین قرطبہ بھی دیدۂ مسلم کا نور
ظلمت مغرب میں جو روشن تھی مثل شمع طور (۳۹)

(۱۱) نغمے بیتاب ہیں تاروں سے نکلنے کے لیے
طور مضطر ہے اسی آگ میں جلنے کے لیے (۴۰)

(۱۲) برق ایمن مرے سینہ پہ پڑی روتی ہے
دیکھنے والی ہے جو آنکھ کہاں سوتی ہے؟ (۴۱)

(۱۳) تم میں حوروں کا کوئی چاہنے والا ہی نہیں
جلوۂ طور تو موجود ہے موسیٰ ہی نہیں (۴۲)

(۱۴) لیکن فقیر شہر نے جس دم سنی یہ بات
گرما کے مثل صاعقہ طور ہوگیا (۴۳)

(۱۵) غافل اپنے آشیاں کو آ کے پھر آباد کر
نغمہ زن ہے طور معنی پر کلیم نکتہ بیں (۴۴)

(۱۶) شرارے وادیٔ ایمن کے تو بوتا تو ہے لیکن
نہیں ممکن کہ پھوٹے اس زمیں سے تخم سینائی! (۴۵)

(۱۷) کب تلک طور پہ دریوزہ گری مثل کلیم!
اپنی ہستی سے عیاں شعلہ سینائی کر (۴۶)

(۱۸) مثل کلیم ہو اگر معرکہ آزما کوئی
اب بھی درخت طور سے آتی ہے بانگ لاتخف (۴۷)

(۱۹) اَرنِی میں بھی کہہ رہا ہوں مگر
یہ حدیث کلیم و طور نہیں! (۴۸)

(۲۰) خالی ہے کلیموں سے یہ کوہ و کمر ورنہ
تو شعلہ سینائی میں شعلہ سینائی (۴۹)

(۲۲) دل طور سینا وفاران دو نیم
تجلی کا پھر منتظر ہے کلیم! (۵۰)

(۲۴) ہر لحظہ نیا طور نئی برق تجلی
اللہ کرے مرحلہ شوق نہ ہو طے! (۵۱)

(۲۵) ایک دن اقبال نے پوچھا کلیم طور سے
اے کہ تیرے نقش پا سے وادی سینا چمن!
آتش نمرود ہے اب تک جہاں میں شعلہ ریز
ہوگیا آنکھوں سے پنہاں کیوں ترا سوز
تھا جواب صاحب سینا کہ مسلم ہے اگر
چھوڑ کر غائب کو تو حاضر کا شیدائی نہ بن کہن؟ (۵۲)

(۲۶) اپنی وادی سے دور ہوں میں
میرے لیے نخل طور ہے تو (۵۳)

(۲۷) مدینہ تیری نگاہوں کا نور تھا گویا
تیرے لیے تو یہ صحرا ہی طور تھا گویا (۵۴)

اقبال اور دریائے نیل

اقبال نے دریائے نیل کئی بار ذکر کیا۔ وہ فرماتے ہیں:

(۱) ٹوٹ کر خورشید کی کشتی ہوئی غرقاب نیل
ایک ٹکڑا تیرتا پھرتا ہے روئے آب نیل
چرخ نے بالی چرا لی ہے عروس شام کی؟
نیل کے پانی میں یا مچھلی ہے سیم خام کی؟ (۵۵)

(۲) رہے گا راوی و نیل و فرات میں کب تک؟
ترا سفینہ کہ ہے بحر بیکراں کے لیے (۵۶)

(۳) اس کی زمیں بے حدود اس کا افق بے ثغور
اس کے سمندر کی موج دجلہ و دینوب و نیل! (۵۷)

(۴) خودی ہے زندہ تو دریا ہے بیکران ترا

ترے فراق میں مضطر ہے موج نیل و فرات (۵۸)
(۵) ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر (۵۹)

حواشی

۱- دیکھو' محمد عنانی : فن الترجمة الشركه المصرية للنشر- الطبعة الثالثة- القاهره ۱۹۹۶ء

۲- دیکھو' محمد عنانی : الترجمة الادبية- الشركة المصرية العالميه للنشر- الطبة الاولى- القاهرة ۱۹۹۸ء

۳- ابو الحسن ندوی : روائع اقبال' المجمع الاسلامی- لکنهو ۱۹۹۱ء ص ۱۷-۱۷

۴- ندوی : روائع اقبال ۱۷

۵- ندوی : روائع اقبال : ۲۷ و رفیع الدین ہاشمی : خطوط اقبال- لاہور ۱۹۸۷ء

۶- ظهور اظهر: اقبال العرب على دراسات اقبال : المكتبة العلمية لاهور ۱۱۸-

۷- سمیرعبدالحمید ابراہیم : اقبال و العرب- مکتبہ دارالسلام- الطبعه الاولى- الرياض ۱۴۱۷ھ ۲۰-۲۱-

۸- ظهور اظهر: اقبال العرب على دراسات اقبال : ۱-۱۱

۹- ظهور اظهر: اقبال العرب على دراسات اقبال : ۳۱-۳۹-۵۳

۱۰- سمیر عبدالحمید ابراہیم = اقبال و العرب - ۴۷-۴۰

۱۱- اقبال : کلیات اقبال- بانگ درا- ایجوکیشنل بک ہاؤس- علی گڑھ ۱۹۹۵ء- ۱۶۷ ایضاً سمیر عبدالحمید ۶۱

۱۲- ندوی : نقوش اقبال- مجلس تحقیقات و نشریات اسلام' لکھنؤ ۱۹۷۶ - ۳۰۴-۲۰۳

۱۳- اقبال : کلیات اقبال- بانگ درا- ۴۰۵

۱۴- اقبال : کلیات اقبال- بال جبریل ۳۴۹

۱۵- عبدالحق : فکر اقبال کی سرگزشت' رحمان منزل- بلوا گھاٹ- جونپور ۱۹۸۹ ر ۱۴۵- ۱۴۶

۱۶- اقبال : کلیات اقبال- بانگ درا ۱۵۴

۱۷- اقبال : کلیات اقبال- ضرب کلیم- ۶۰۶ - ۶۰۷

۱۸۔ سمیر عبدالحمید ابراھیم : اقبال و العرب ۶۲-۶۳
۱۹۔ اقبال : کلیات اقبال' ضرب کلیم ۵۷۸-۵۷۹
۲۰۔ سمیر عبدالحمید ابراھیم : اقبال و العرب ۶۴-۶۵
۲۱۔ اقبال : کلیات اقبال (فارسی)۔ کتب خانہ نذیریہ اردو بازار۔ جامع مسجد دہلی دوسری بار ۱۹۸۱-۶۳
۲۲۔ سمیر عبدالحمید ابراہیم : اقبال و العرب ۶۶-۶۷
۲۳۔ سمیر عبدالحمید ابراہیم : اقبال و العرب ۳۷
۲۴۔ اقبال : کلیات اقبال۔ بال جبریل ۳۱۷
۲۵۔ اقبال : کلیات اقبال۔ ضرب کلیم ۴۹۲
۲۷۔ اقبال : کلیات اقبال۔ ضرب کلیم ۵۱۳
۲۸۔ اقبال : کلیات اقبال۔ ضرب کلیم ۶۲۰
۲۹۔ اقبال : کلیات اقبال۔ بانگ درا ۴۹۲
۳۰۔ اقبال : کلیات اقبال۔ بانگ درا ۴۱
۳۱۔ اقبال : کلیات اقبال۔ بانگ درا ۴۵
۳۲۔ اقبال : کلیات اقبال۔ بانگ درا ۵۱
۳۳۔ اقبال : کلیات اقبال۔ بانگ درا ۷۴
۳۴۔ اقبال : کلیات اقبال۔ بانگ درا ۷۴
۳۵۔ اقبال : کلیات اقبال۔ بانگ درا ۸۲
۳۶۔ اقبال : کلیات اقبال۔ بانگ درا ۹۹
۳۷۔ اقبال : کلیات اقبال۔ بانگ درا ۱۰۲
۳۸۔ اقبال : کلیات اقبال۔ بانگ درا ۱۱۶
۳۹۔ اقبال : کلیات اقبال۔ بانگ درا ۱۲۵
۴۰۔ اقبال : کلیات اقبال۔ بانگ درا ۱۴۶
۴۱۔ اقبال : کلیات اقبال۔ بانگ درا ۱۶۹
۴۲۔ اقبال : کلیات اقبال۔ بانگ درا ۱۷۳
۴۳۔ اقبال : کلیات اقبال۔ بانگ درا ۲۰۲

۴۴۔ اقبال : کلیات اقبال۔ بانگ درا ۲۱۶
۴۵۔ اقبال : کلیات اقبال۔ بانگ درا ۲۲۱
۴۶۔ اقبال : کلیات اقبال۔ بانگ درا ۲۴۴
۴۷۔ اقبال : کلیات اقبال۔ بانگ درا ۲۷۹
۴۸۔ اقبال : کلیات اقبال۔ بانگ درا ۳۳۲
۴۹۔ اقبال : کلیات اقبال۔ بانگ درا ۳۳۵
۵۰۔ اقبال : کلیات اقبال۔ بانگ درا ۴۱۳
۵۱۔ اقبال : کلیات اقبال۔ بانگ درا ۴۱۵
۵۲۔ اقبال : کلیات اقبال۔ ضرب کلیم ۵۸۹
۵۳۔ اقبال : کلیات اقبال۔ بانگ درا ۲۴۰
۵۴۔ اقبال : کلیات اقبال۔ بال جبریل ۲۹۴
۵۵۔ اقبال : کلیات اقبال۔ بانگ درا ۸۱
۵۶۔ اقبال : کلیات اقبال۔ بانگ درا ۵۱
۵۷۔ اقبال : کلیات اقبال۔ بال جبریل ۳۴۱
۵۸۔ اقبال : کلیات اقبال۔ بال جبریل ۳۸۸۔
۵۹۔ اقبال : کلیات اقبال۔ ارمغان حجاز (اردو) ۶۶۸
۵۹۔ اقبال : کلیات اقبال۔ بانگ درا ۷۶۵

کتابیات

(a) اردو کتابیں :

۱۔ اقبال : کلیات اقبال (اردو) : ایجوکیشنل بک ہاؤس مسلم یونی ورسٹی مارکیٹ علی گڑھ ۱۹۹۵ء

۲۔ اقبال : کلیات اقبال (فارسی) : کتب خانہ نذیریہ اردو بازار جامع مسجد دھلی۔ دوسری بار۔ ۱۹۷۱ء

۳۔ عبدالحق : فکر اقبال کی سرگزشت : رحمان منزل' بلوا گھاٹ' جونپور (یو۔ پی) ۱۹۸۹ء

۴۔ ندوی ابو الحسن علی : نقوش اقبال : مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ ۱۹۷۶ء

۵۔ ہاشمی' رفیع الدین : خطوط اقبال۔ لاہور ۱۹۷۶ء

(b) عربی کتابیں :

۱۔ سمیر عبدالحمید ابراہیم : مکتبہ دارالسلام' الطبعہ الاولی۔ الریاض ۱۴۱۲ھ

۲۔ ظہور اظہر : اقبال العرب علی دراسات اقبال۔ مکتبہ علمیہ لاہور

۳۔ محمد عنانی : فن الترجمہ الشرکہ المصریہ العالمیہ للنشر۔ طبعہ ثالثہ القاھرہ ۱۹۹۶ء

۴۔ محمد عنانی : الترجمہ الادبیہ۔ الشرکہ المصریہ العالمیہ للنشر۔ لونغمان۔ الطبعہ الاولی القاھرہ ۱۹۹۷ء

۵۔ ندوی' ابوالحسن علی : روائع اقبال' المجمع الاسلامی العلمی' طبعہ خامسہ لکھنؤ ۱۹۹۱ء